تربیتِ اولاد، اخلاقی خودمختاری اور نیک نیتی کی حدود

بہترین تربیت بچوں کے لیے امکانات کے دروازے توکھولتی ہے،مگر ان کی تقدیر پر کنٹرول نہیں رکھتی۔ والدین اس بات کے ذمہ دار ہوتے ہیں کہ وہ کیسی مٹی تیار کرتے ہیں، کیسے اصولوں پر عمل کر کے دکھاتے ہیں، کیسی رہنمائی فراہم کرتے ہیں اور کتنی محبت برقرار رکھتے ہیں—اس بات کے نہیں کہ ان کے بچے بعد میں کون سا راستہ چنتے ہیں۔ اس حوالے سے اثر و رسوخ بہت اہم ہوتا ہے، مگر انسان کی ذاتی آزادی اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ والدین کی کامیابی کا درست پیمانہ یہ نہیں کہ "کیا میں نے بہترین انجام کی ضمانت دی؟" بلکہ یہ ہے کہ "کیا میں نے اپنی ذمہ داری پوری دیانت داری سے نبھائی؟"

میں یہ سوال ان کے پاس اس لیے لے کر گیا تھا کہ میں ایک ایسے میاں بیوی کو دس سال سے زیادہ عرصے سے جانتا تھا جنھوں نے اپنے بچوں کی پرورش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ انھوں نے ہر کام طے شدہ اصولوں کے مطابق کیا تھا۔ بچوں کے سونے جاگنے کے اوقات مقرر تھے، خاندان والوں سے میل جول کے لیے باقاعدگی سے وقت نکالا جاتا تھا، اقدار کی محض تلقین نہیں کی جاتی تھی بلکہ والدین خود بھی ان پر عمل کر کے دکھاتے تھے، نظم و ضبط قائم رکھا جاتا تھا مگر سختی اور درشتی سے گریز کیا جاتا تھا، اور محبت و شفقت میں کبھی کمی دکھائی نہیں دیتی تھی۔

انھوں نے ایک ہی گھر میں، ایک جیسے اصولوں اور یکساں محبت کے ساتھ دو بچوں کی پرورش کی۔

آج ان میں سے ایک بچہ ڈاکٹر ہے، جو ہر ہفتے اپنے والدین کو فون کرتا ہے اور اپنی پرورش کا ذکر کھلے دل سے تشکر کے ساتھ کرتا ہے۔ دوسرا اپنی زندگی کی بیس کی دہائی کے کئی سال ایسی ملازمتوں کے درمیان بھٹکتا رہا جنھیں وہ زیادہ عرصے تک برقرار نہ رکھ سکا۔ اس کے تعلقات بھی اچھے انجام تک نہ پہنچے، اور پھر خاندان کے بیشتر افراد کے ساتھ اس کے تعلقات اس حد تک خراب ہو گئے کہ آج تک کوئی پوری طرح نہیں سمجھ سکا کہ آخر ایسا کیوں ہوا۔

جب بھی یہ معاملہ زیرِ بحث آتا ہے، ان کے والدین اب بھی خاموشی سے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ آخر ان سے کیا غلطی ہوئی تھی۔

میں یہی سوال لے کر ان کے پاس گیا تھا۔

میں نے کہا، "آپ اکثر بتاتے ہیں کہ بچوں کی پرورش کرتے ہوئے والدین کو کیا کرنا چاہیے اور کن باتوں سے بچنا چاہیے۔ لیکن کبھی کبھی میرے ذہن میں ایک سوال اٹھتا ہے۔ اگر والدین ہر کام درست طریقے سے کریں تو کیا اس بات کی ضمانت مل جاتی ہے کہ ان کے بچے بھی اچھے انسان بنیں گے؟"

وہ مسکرائے۔

"یہ اس بات پر منحصر ہے کہ آپ کے نزدیک اچھا انسان بننے کا کیا مطلب ہے۔"

میں نے کہا، "اچھا انسان بننا، ذمہ دار اور بااخلاق ہونا، اور اپنی زندگی میں کوئی بامقصد اور قابلِ قدر کام کرنا۔"

انھوں نے سر ہلایا۔

"نہیں۔ اچھی تربیت اس بات کی ضمانت نہیں کہ بچے بھی لازماً اچھے ہی بنیں گے۔"

ان کا جواب میرے لیے حیران کن تھا، اور اسے قبول کرنا کچھ مشکل بھی لگا، کیونکہ والدین کو دی جانے والی بہت سی نصیحتیں بالواسطہ طور پر اس کے برعکس تاثر دیتی ہیں۔ صحیح کتابیں پڑھیے، درست طریقے اپنائیے، مناسب ماحول فراہم کیجیے، اور ان غلطیوں سے بچیے جن کے نقصانات پہلے ہی ثابت ہو چکے ہیں۔ پھر آپ کا بچہ یقیناً اچھا انسان بنے گا۔ گویا کسی انسان کی پرورش بھی ایک ایسا نسخہ ہے جس کے اجزا درست مقدار میں ڈال دیے جائیں تو ہر بار ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے۔

لیکن میں نے زندگی میں بارہا دیکھا ہے کہ حقیقت اس فارمولے کے مطابق چلنے سے انکار کر دیتی ہے۔ اس لیے اسے قابلِ اعتماد اصول سمجھنا مشکل ہے۔

شاید انھوں نے میرے ذہن میں چلنے والے خیالات کو بھانپ لیا تھا۔

"مجھے ایک بات بتائیے،" انھوں نے پوچھا۔ "آخر کار کسی انسان کے فیصلوں کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟"

"خود اسی انسان پر۔"

"بالکل۔ زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے پر ہر بچہ اپنے فیصلے خود کرنے والا انسان بن جاتا ہے۔"

اس ایک جملے نے میرے لیے بہت سی باتوں کا زاویہ بدل دیا۔ ہم اکثر بچوں کی پرورش کے بارے میں اس طرح بات کرتے ہیں جیسے وہ کوئی مصنوعات ہوں جنھیں ایک خاص طریقے سے تیار کیا جا رہا ہو، اور جیسے درست اجزا فراہم کرنے سے لازماً درست نتیجہ نکلے گا۔

لیکن انسان ہدایات کے مطابق جوڑی جانے والی مشینیں نہیں ہیں۔ وہ اخلاقی شعور اور اپنے فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھنے والے انسان ہیں۔ وہ انتخاب کرتے ہیں، اور یہی وہ کام ہے جو کوئی والدین، خواہ انہوں نے اپنے آپ کو کتنا ہی وقف کیوں نہ کر رکھا ہو، کسی دوسرے کی جگہ نہیں کر سکتے۔

انھوں نے بات جاری رکھی۔

"والدین کا اثر حقیقی ہوتا ہے، لیکن اثر انداز ہونا اور کسی کی تقدیر طے کر دینا دو الگ باتیں ہیں۔"

میں نے ان سے وضاحت کرنے کو کہا۔

"زبان کی مثال لیجیے،" انھوں نے کہا۔ "اگر کوئی بچہ ایسے گھر میں پرورش پاتا ہے جہاں لوگ سوچ سمجھ کر، شائستگی سے اور درست انداز میں گفتگو کرتے ہیں تو اس کے ساتھ کیا ہونے کا امکان ہے؟"

"غالباً وہ بچہ بھی اسی طرح بات کرنا سیکھ لے گا۔"

"غالباً۔ لیکن ضروری نہیں۔"

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے تاکہ میں اس فرق کو سمجھ سکوں۔

"والدین کسی نتیجے کے امکانات بڑھاتے ہیں، اس کی ضمانت نہیں دیتے۔ صحت مند ماحول مثبت نتائج کے امکان کو بڑھاتا ہے، جب کہ تباہ کن ماحول ان کے حصول کو مشکل بنا دیتا ہے۔ لیکن کوئی بھی ماحول انسانی انتخاب کی آزادی کو مکمل طور پر ختم نہیں کر سکتا۔ بالآخر ہر والدین کو اپنے اثر و رسوخ کی ایک حد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

پھر انھوں نے ایک ایسی مثال دی جس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔

"حضرت نوحؑ کے گھرانے کو دیکھیے۔ تاریخ میں کوئی والد اپنے بچے کو اس سے بہتر رہنمائی کیا دے سکتا ہے کہ وہ خود ایک نبی ہو، وحی کی روشنی میں رہنمائی کرتا ہو اور دہائیوں تک اپنے عمل اور تعلیم سے ایک راستہ دکھاتا رہا ہو؟ اس کے باوجود، ہمارے علم میں موجود روایات کے مطابق، ان کے خاندان کے ہر فرد نے اس راستے کو اختیار نہیں کیا جس پر وہ خود چلتے رہے اور جس کی تعلیم دیتے رہے۔"

ان کی بات سمجھنے کے لیے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔

اگر پیغمبر کی رہنمائی بھی کسی دوسرے انسان کی مرضی اور انتخاب کو ختم نہیں کر سکتی تو ہم میں سے کسی کے پاس بھی تربیت کا ایسا کوئی طریقہ نہیں جو کسی دوسرے کی مرضی پر مکمل اختیار حاصل کر سکے۔

انھوں نے مزید کہا، "اور اس کے برعکس مثالیں بھی موجود ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں سوچیے جو انتہائی مشکل حالات میں پروان چڑھے، جنھیں نظر انداز کیے جانے، غربت اور غیر مستحکم گھریلو زندگی کا سامنا رہا، لیکن اس کے باوجود وہ غیر معمولی انسان بن کر سامنے آئے۔"

مجھے فوراً ایک نوجوان یاد آیا جسے میں کبھی پڑھایا کرتا تھا۔ اس نے اپنا بچپن کبھی اپنی خالہ کے گھر کے ایک اضافی کمرے میں اور کبھی مختلف پناہ گاہوں میں رہتے ہوئے گزارا تھا۔ آج وہ اپنی ایک چھوٹی سی ورکشاپ چلاتا ہے، جہاں وہ اپنی ہی طرح کے مشکل حالات سے گزرنے والے بچوں کو ہنر سکھاتا ہے۔

اس کی زندگی کے ابتدائی حالات میں کوئی ایسی بات دکھائی نہیں دیتی تھی جو اس کے آج کے مقام کی پیش گوئی کر سکتی۔

انھوں نے پوچھا، "آپ ایسے شخص کی زندگی کی وضاحت کیسے کریں گے؟"

میں نے کچھ دیر سوچا، پھر کہا، "اس نے وہ راستہ چنا جس کی توقع اس کے حالات کو دیکھتے ہوئے نہیں کی جا سکتی تھی۔"

"بالکل۔ اس جواب کا مطلب یہ نہیں کہ ماحول کی اہمیت سے انکار کر دیا جائے۔ اس کا مطلب صرف یہ تسلیم کرنا ہے کہ ان تمام حالات کے پیچھے انسانی آزادی اور اپنے فیصلے خود کرنے کی صلاحیت بھی موجود رہتی ہے۔"

میں نے ان سے کہا کہ میرا خیال ہے، بہت سے والدین ایسا بوجھ اٹھائے پھرتے ہیں جو دراصل کبھی ان کا تھا ہی نہیں۔ وہ صرف اپنے اعمال کے نہیں بلکہ ان لوگوں کے مستقبل کے فیصلوں کے بھی خود کو ذمہ دار سمجھنے لگتے ہیں جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے، اور بعد میں انھی بچوں کے ان فیصلوں کا بوجھ بھی اپنے کندھوں پر لے لیتے ہیں جو وہ بڑے ہو کر اپنی آزاد مرضی سے کرتے ہیں۔

اس بوجھ کے نیچے زندگی گزارنے سے ایک عجیب طرح کا ذہنی حساب کتاب جنم لیتا ہے، جس میں ہر بات کا الزام یا کریڈٹ والدین اپنے کھاتے میں ڈالنے لگتے ہیں۔

اگر بچہ مشکلات کا شکار ہو تو والدین خاموشی سے اس کی ہر لغزش، خواہ حقیقی ہو یا محض ان کا وہم، کا الزام اپنے سر لے لیتے ہیں۔ اور اگر بچہ کامیاب ہو جائے تو وہ ان نتائج کا سہرا بھی اپنے سر باندھ لیتے ہیں جن پر ان کا مکمل اختیار کبھی تھا ہی نہیں۔

تاہم، دونوں ردِ عمل، چاہے اندرونی طور پر کتنے ہی مختلف محسوس ہوں، ایک ہی چیز کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں: ایک انسان کی روح پر والدین کا اختیار۔

وہ میری طرف جھکے اور پوچھا، "کیا آپ جانتے ہیں کہ والدین حقیقت میں کس چیز کے ذمہ دار ہیں؟"

"کس چیز کے؟"

"اپنے فرض کے۔"

یہ سننے میں اتنا آسان لگتا ہے کہ شاید اہم نہ لگے، لیکن جب آپ اس کی گہرائی میں اترتے ہیں تو یہ سب کچھ بدل دیتا ہے۔ ایک کسان کا کام زمین تیار کرنا، بیج بونا، اسے پانی دینا اور اپنی بساط بھر فصل کی حفاظت کرنا ہے۔ کوئی کسان بادلوں کو بارش کا حکم نہیں دے سکتا۔ کوئی بھی کسان اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ فصل کیسی ہوگی، چاہے وہ زمین پر کتنی ہی جانفشانی سے کام کرے۔ والدین بننا بھی ہم سے کچھ ایسا ہی مانگتا ہے۔ آپ رہنمائی کرتے ہیں۔ سازگار ماحول مہیا کرتے ہیں۔ ان اقدار کا عملی نمونہ بنتے ہیں جن کے پنپنے کی آپ امید کرتے ہیں۔ آپ سکھاتے ہیں، سہارا دیتے ہیں، غلطیاں سدھارتے ہیں اور محبت کرتے ہیں۔ آپ ان برسوں میں بھی مستقل مزاجی سے موجود رہتے ہیں جو عام گزر جاتے ہیں اور ان میں بھی جو طوفانی لگتے ہیں۔ اور اگر دعا کرنا آپ کے عقیدے کا حصہ ہے تو آپ دعا بھی کرتے ہیں۔ یہ سب آپ کے فرائض ہیں۔ لیکن فصل آپ کے کلی اختیار میں نہیں ہوتی۔

میں ایک ایسے والد کو بھی جانتا تھا جو احساسِ جرم کے ایسے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے جس نے گویا ان کے وجود پر ایک مستقل نشان چھوڑ دیا تھا۔ ان کا بیٹا اس وقت عمر کی تیسری دہائی کے آخری برسوں میں تھا۔ اس کے تعلقات بار بار ناکام ہوئے، وہ کئی ملازمتیں تبدیل کرتا رہا اور کوئی ملازمت ایک سال سے زیادہ برقرار نہ رکھ سکا۔ خاندان کے بیشتر افراد سے بھی اس کے تعلقات خراب ہو گئے تھے۔ یہ صورت حال تقریباً ویسی ہی تھی جیسی اس میاں بیوی کے دوسرے بیٹے کے معاملے میں سامنے آئی تھی جن کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔

وہ والد اپنے ماضی کے ہر فیصلے کو بار بار ذہن میں دہراتے رہتے تھے۔ انھیں اپنا ہر سخت جملہ یاد آتا، اسکول کی ہر وہ تقریب یاد آتی جس میں وہ شریک نہیں ہو سکے تھے، اور ہر وہ لمحہ یاد آتا جب انھیں شبہ ہوا تھا کہ شاید ان سے کوئی غلطی ہو گئی تھی۔

ایک دن ان کے ایک دوست نے انھیں تسلی دینے کے لیے روایتی جملے دہرانے کے بجائے چند مختصر سوالات کیے۔

"کیا آپ نے اپنے بیٹے کو سچ بولنا سکھایا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"کیا آپ نے خود بھی دیانت داری اور اصول پسندی پر عمل کرنے کی کوشش کی، چاہے اس کی قیمت آپ کو خود ہی کیوں نہ ادا کرنا پڑی ہو؟"

"جی ہاں۔"

"کیا آپ نے اپنی سمجھ اور استطاعت کے مطابق اس سے محبت کی؟"

"جی ہاں۔"

"کیا آپ نے اس وقت اپنے علم اور سمجھ بوجھ کے مطابق اس کی بہترین رہنمائی کرنے کی کوشش کی؟"

"جی ہاں۔"

یہاں پہنچ کر وہ والد رونے لگے۔

یہ صرف غم کے آنسو نہیں تھے۔ یہ اس اچانک اور حیران کن سکون کا اظہار بھی تھا جو اس احساس سے پیدا ہوا کہ وہ ایک طویل عرصے سے خود کو ایسے فیصلوں کا ذمہ دار ٹھہراتے آ رہے تھے جو دراصل کبھی ان کے اختیار میں تھے ہی نہیں۔

اس حقیقت کو سمجھ لینے کا مطلب یہ نہیں کہ ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس سے ذمہ داری کی حدود زیادہ واضح ہو جاتی ہیں۔

والدین سے یہ تقاضا نہیں کیا جاتا کہ وہ ایسے نتائج کی ضمانت دیں جن پر ان کا اختیار نہیں۔ ان سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ اس کام کو پوری دیانت داری سے انجام دیں جو ہمیشہ سے ان کی ذمہ داری رہا ہے۔

یہ فرق ہمیں دو بالکل متضاد غلطیوں سے بچاتا ہے۔

پہلی غلطی خود پسندی اور غرور ہے۔ جب کسی والدین کا بچہ کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ دل ہی دل میں یہ سوچنے لگتے ہیں، "دیکھیے، میں نے کیا بنایا ہے۔" گویا بچے کے اپنے فیصلوں، زندگی کے کسی اہم موڑ پر اتفاقاً مل جانے والے اچھے دوستوں، کھلنے یا بند ہونے والے مواقع اور پس منظر میں کارفرما کسی غیبی مہربانی کا اس کامیابی میں کوئی حصہ ہی نہیں تھا۔

دوسری غلطی مایوسی اور خود کو ناکام سمجھ لینا ہے۔ جب کسی والدین کا بچہ مشکلات میں گھر جاتا ہے تو وہ فوراً یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں، "میں ناکام ہو گیا۔" گویا اس صورتِ حال کی یہی واحد ممکنہ وضاحت ہو۔

یقیناً والدین سے غلطیاں ہوتی ہیں، اور وہ نہ صرف اپنی غلطیوں کا جائزہ لے سکتے ہیں بلکہ جہاں ممکن ہو، خود کو بہتر بھی بنا سکتے ہیں۔ لیکن غلطی کر بیٹھنے اور کسی دوسرے انسان کی پوری زندگی کا مصنف بن جانے میں بہت فرق ہے۔

میں نے ان سے کہا کہ اس گفتگو نے مجھے یاد دلایا ہے کہ کتنے ہی لوگ بچوں کی پرورش کو ایک ایسے منصوبے کی طرح دیکھتے ہیں جس کے نتائج پہلے سے طے شدہ ہوں۔ یہ دس کام کیجیے، ان پانچ غلطیوں سے بچیے، اور کامیابی یقینی ہو جائے گی۔

لیکن زندگی اس قدر قابلِ پیش گوئی نہیں، اور بچوں کی پرورش کوئی انجینئرنگ کا منصوبہ نہیں ہے۔

یہ زیادہ تر امانت داری کے ساتھ کسی ذمہ داری کو نبھانے کے مترادف ہے۔ اس میں انسان سے خلوص اور مستقل مزاجی کے ساتھ کوشش کرنے کی توقع کی جاتی ہے، نہ کہ نتائج کی ضمانت دینے کی۔

میں نے ان سے آخری سوال پوچھا۔

"اگر بچوں کی پرورش ان کی زندگی کا حتمی نتیجہ طے نہیں کرتی تو پھر اس موضوع پر اتنی گفتگو کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

وہ مسکرائے۔

"کیونکہ ذمہ داری کی اہمیت پھر بھی بہت زیادہ ہے۔ کسان کی مثال یاد ہے نا؟ اب تصور کیجیے کہ ایک ہی کسان، ایک ہی موسم میں، ساتھ ساتھ واقع دو کھیتوں کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔ ایک کھیت کو وہ پانی دیتا ہے، اس میں سے جڑی بوٹیاں نکالتا ہے اور اس کی مسلسل نگرانی کرتا ہے۔ دوسرے کو وہ بالکل اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ آپ کے خیال میں کون سا کھیت زیادہ پھلنے پھولنے کا امکان رکھتا ہے؟"

"پہلا کھیت۔"

"بالکل۔ غور کیجیے کہ میں نے کہا ہے، زیادہ امکان ہے۔ یہ نہیں کہا کہ نتیجہ یقینی ہے یا اس کی ضمانت ہے۔ صرف یہ کہ امکان زیادہ ہے۔ بچوں کی پرورش بھی اسی طرح کام کرتی ہے۔ اچھی تربیت صحت مند نشوونما کے امکانات بڑھاتی ہے۔ غفلت غیر ضروری مشکلات کے امکانات میں اضافہ کرتی ہے۔ لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی اس انتخاب کی آزادی ختم نہیں کرتی جو بالآخر اس انسان کا اپنا حق ہے جو زندگی کے میدان میں کھڑا ہے۔"

جب ہماری گفتگو ختم ہوئی تو مجھے زندگی کو دیکھنے کے اس انداز میں ایک حقیقی آزادی محسوس ہوئی۔

والدین کو کسی دوسرے انسان کی تقدیر پر اختیار رکھنے کا ناممکن بوجھ اٹھانے کی ضرورت نہیں، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے بری ہو جاتے ہیں۔

اب جو کچھ باقی رہ جاتا ہے، وہ بظاہر سادہ ہے، اگرچہ اسے انجام دینا یقیناً آسان نہیں۔ درست کام کرنا، رہنمائی فراہم کرنا، اپنی استطاعت کے مطابق بہترین ماحول بنانا، ان اقدار کو اپنے کردار میں زندہ رکھنا جو اگلی نسل تک پہنچانے کے لائق ہیں، خلوص کے ساتھ محبت کرنا، اور اس فرض کو پوری دیانت داری سے نبھانا جو ہمیشہ سے ان کے حصے میں آیا ہے۔

اس کے بعد یہ اعتماد رکھنا کہ ہر بچہ، اپنے سے پہلے آنے والی ہر نسل کی طرح، بالآخر اپنی آزمائشوں، اپنے فیصلوں اور اپنے اعمال کے حساب کتاب سے خود گزرے گا۔ اسے خود جواب دینا ہوگا کہ اس نے اپنے سامنے آنے والے سوالات اور حالات کا سامنا کس طرح کیا۔

والدین کا اثر طاقتور ہوتا ہے، لیکن اثر انداز ہونا کسی کی تقدیر طے کر دینا نہیں ہے۔ والدین کی کامیابی کا پیمانہ کبھی یہ نہیں تھا کہ انھوں نے نتیجے کو اپنے قابو میں رکھا یا نہیں۔ اصل پیمانہ یہ ہے کہ انھوں نے اس کام کو کتنی دیانت داری سے انجام دیا جو حقیقتاً ان کی ذمہ داری تھا۔

غور و فکر کے لیے چند نکات

- **اپنے فرض اور نتیجے میں فرق کیجیے۔** اگلی بار جب آپ والدین کی حیثیت سے اپنے کردار کا جائزہ لیں تو خود سے یہ پوچھیے کہ کسی خاص موقع پر حقیقتاً آپ کی ذمہ داری کیا تھی، نہ کہ آخر کار نتیجہ کیا نکلا۔

- **غرور اور مایوسی، دونوں سے ہوشیار رہیے۔** بچے کی کامیابی کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کامل والدین ہیں، اور اس کی مشکلات کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ناکام ہیں۔ دونوں باتیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کا اپنی اولاد پر اس سے زیادہ کنٹرول ہے جتنا کہ درحقیقت کسی بھی والد یا والدہ کو حاصل ہوتا ہے۔
- **یاد رکھیے کہ ہر بچہ اپنے فیصلے خود کرنے والا انسان ہے۔** اس حقیقت کا احترام، حتیٰ کہ اس چھوٹے بچے کے معاملے میں بھی جو ابھی اپنے فیصلے کرنے کی صلاحیت سیکھ رہا ہے، ہماری رہنمائی کے انداز کو بدل دیتا ہے۔ مقصد بچے کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا نہیں، بلکہ اسے ایسے انسان کے طور پر تیار کرنا ہے جو آگے چل کر اپنے فیصلے خود کرے گا۔
- **یقین کے بجائے اپنی دیانت داری کو معیار بنائیے۔** یہ پوچھنے کے بجائے کہ آیا آپ کی تربیت کامیاب ہوئی، خود سے پوچھیے کہ کیا آپ نے اپنے علم اور استطاعت کے مطابق سکھایا، اچھی مثال قائم کی، محبت کی، غلطی پر اصلاح کی اور بچے کے ساتھ موجود رہے؟
- **کسان کی طرح صبر کرنا سیکھیے۔** آپ زمین تیار کر سکتے ہیں، احتیاط سے بیج بو سکتے ہیں اور باقاعدگی سے پانی دے سکتے ہیں۔ لیکن فصل کو اگنے کا حکم نہیں دے سکتے۔ اس فرق کو سمجھنے سے اپنی کوشش کم کیے بغیر اپنی بے چینی کم کرنے کی کوشش کیجیے۔